۷۸۶

دارالعلوم دیوبند کا المیہ

از

مولانا محمد منظور نعمانی

دارالعلوم دیوبند

کا

المیہ

عوامی عدالت میں

اظہارِ حقیقت

مادرِ علمی "دارالعلوم دیوبند" اپنی علمی بلندیوں اور دینی عظمتوں کے ساتھ پورے ایشیا میں عظمت کا حامل ہے۔

ہم اربابِ انتظامیہ کو دارالعلوم کے موجودہ بحران کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے اس کی صورتِ حال پر سخت رنج والم کا اظہار کرتے ہیں اور صرف مجلسِ شوریٰ کی ہیئتِ حاکمہ اور اُس پر مکمل اعتماد کرتے ہیں اور مجلسِ شوریٰ کے کسی بھی فیصلوں کی مکمل تائید کرتے ہیں، اور پُر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ جلد از جلد دارالعلوم دیوبند کو کھولا جائے، اور پچھلا انتظام بحال کیا جائے۔ اِن حالات

کا صحیح جائزہ لینے کیلئے ہم عوامی عدالت میں "دارالعلوم دیوبند کا المیہ" کے نام سے موسوم یہ کتابچہ پیش کر رہے ہیں تاکہ ہمدردانِ دارالعلوم دیوبند اور عام مسلمانوں کو صحیح حالات و حقائق سے واقفیت ہو جائے گی، محض غلط اور جھوٹے پروپگنڈے اور کسی کی شخصیت کی اندھی عقیدت میں گرفتار ہو کر زبان درازی، توہین و تذلیل کرنے اور بزرگانِ دین و اللہ والوں کی پگڑیاں اچھالنے سے اپنے آپ کو بچائیں۔

بارگاہِ رب العزت میں دعا ہے کہ خداوندِ قدوس اپنے فضل و کرم سے ملتِ اسلامیہ کو اتحاد و اتفاق کی دولت سے نوازے اور حق و صداقت کی راہوں پر گامزن فرمائے، اور جلد سے جلد دارالعلوم حسبِ سابق کی طرح علم و عرفان کی بارش برساتا رہے۔

آمین

دار العلوم دیوبند کا المیہ

(مولانا محمد منظور نعمانی)

الفرقان کے اکتوبر کے شمارہ میں دارالعلوم دیوبند کے المیہ سے متعلق اس عاجز نے خاصی تفصیل سے لکھا تھا اور اس کے بارے میں یہ بھی عرض کر دیا تھا کہ یہ میں نے اس احساس کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے سامنے یہ میری شہادت ہے، اس کے آخر میں بطور معذرت کے ساتھ میں نے عرض کیا تھا کہ:

"آخر میں گذارش ہے کہ میں نے اس طویل بیان میں بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو میری عادت، مزاج اور اصول کے خلاف ہیں اور مجھے اپنے اوپر جبر کر کے یہ ناخوشگوار کام کرنا پڑا ہے، کیونکہ صفائی کے ساتھ ان حقیقتوں کا اظہار اب میرے لئے فرض ہو گیا تھا، امت کی اجتماعی مصلحت کو کسی فرد یا چند افراد کے احترام و لحاظ پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔

——— اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اگر اس میں میرے نفس کا کوئی حصہ

شامل ہوگیا ہو تو مجھے معاف فرما دے اور اپنی رحمت سے میری
اِن معروضات کو دارالعلوم کے حق میں رشد و خیر کا وسیلہ بنا دے۔"

اِس تفصیلی بیان کی اشاعت کے بعد سے مختلف اوقات میں متعدد مخلصین کے ایسے خطوط آئے جن کی وجہ سے میں نے ضرورت محسوس کی کہ اِس سلسلہ کے بعض واقعات کا ذکر میں نے اس وقت ضروری نہیں سمجھا تھا، اُن کا بھی ذکر کر دیا جائے اور بیان کے بعض اجزاء کی وضاحت اور ایسی باتوں کی معذرت کی جائے جو کچھ حضرات کے لئے دل آزاری یا ناخوشگواری کا باعث ہوئی ہوں گی ——— اِسی احساس کے تحت آج کی صحبت میں مندرجہ ذیل چند باتیں عرض کی جا رہی ہیں، یہ گویا میرے اُس بیان کا ضمیمہ یا تتمہ ہے۔ واللہ الموفق الصواب والسداد۔

(۱)

میں نے اپنے بیان میں (مہتمم صاحب کے رویہ میں حیرت انگیز تبدیلی کے زیرِ عنوان) جہاں اس کا ذکر کیا تھا کہ ۱۱-۱۲ اکتوبر ۸۰ء کو مجلسِ شوریٰ کا جو جلسہ ہوا تھا (جس میں یہ عاجز شریک نہیں تھا) اس کے بعد سے حضرت مہتمم صاحب کے رویہ میں تبدیلی شروع ہوئی، وہاں میں نے اِس کا ذکر نہیں کیا تھا کہ یہ تبدیلی (جو مہتمم صاحب کی اصل فطرت، مزاج اور اُن کے عمر بھر کے رویہ کے خلاف تھی) کیوں اور کس طرح پیدا ہوئی۔ اب میں خود یہ سمجھتا ہوں کہ اِس کی بھی وضاحت کر دی جائے۔

مجلسِ شوریٰ کے اِس جلسہ میں جو فیصلے کئے گئے تھے اُن میں یہ تین فیصلے بھی تھے:۔

ایک یہ کہ یہ اجلاس صدسالہ کے بعد سے تقریباً ۶۰-۷۰ لاکھ کی دارالعلوم کی

جو رقم مقامی بینکوں میں جمع ہے جس میں سے نکالنا ہر وقت آسان ہے اس کو بینکوں سے نکال کر یونٹ ٹرسٹ کے حصے خرید لئے جائیں تاکہ وہ محفوظ سرمایہ رہے، (اور دارالعلوم کے مصارف کے لئے جدوجہد معمول کے مطابق ہوتی رہے)۔

دوسرا یہ کہ مہتمم صاحب نے دارالعلوم کے چھ اساتذہ کے خلاف جو رپورٹ اس مجلسِ شوریٰ میں پیش فرمائی تھی جس میں اُن پر سنگین الزامات عائد کئے گئے تھے اس کے بارے میں مجلس نے فیصلہ کیا تھا کہ مہتمم صاحب ان اساتذہ سے جواب طلب کریں، مجلسِ شوریٰ اُن کے جوابات آنے کے بعد اُن کے بارے میں فیصلہ کرے گی۔

تیسری تجویز یہ تھی کہ صد سالہ اجلاس کے بعد سے خود جماعتِ دارالعلوم میں جو افسوسناک اختلاف و خانہ جنگی کی صورت پیدا ہوگئی ہے اور طرح طرح کے الزامات لگائے جارہے ہیں اور اسی کی وجہ سے عوام میں بے اعتمادی پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لئے ملت کے موقر حضرات کا ایک کمیشن مقرر کیا جائے جو دارالعلوم کے حسابات اور مالی معاملات کی جانچ کرکے رپورٹ دے تاکہ عوام میں دارالعلوم کا اعتماد بحالہ قائم رہے اس کمیشن کے تین ارکان بھی نامزد کردیئے گئے تھے۔

میں ذکر کرچکا ہوں کہ میں خود شوریٰ کے اس جلسہ میں شریک نہیں تھا مجھے اس کی کارروائی اور تجاویز کا علم مجلس کی موصولہ رپورٹ سے اور اُن محترم ارکان کی اطلاع سے معلوم ہوا تھا جو شریک تھے۔ یہ بھی انہی حضرات سے معلوم ہوا تھا کہ تمام تجاویز اتفاقِ رائے سے طے ہوئیں اور یہ بھی کہ ان میں سے کوئی تجویز بھی اُن ارکان کی طرف سے پیش نہیں کی گئی تھی جن کو مہتمم صاحب کا مخالف سمجھا جاتا ہے۔

مہتمم صاحب نے اِن میں سے کسی تجویز سے مجلس میں اپنا ادنیٰ سا بھی اختلاف ظاہر نہیں فرمایا تھا۔

لیکن قابلِ اعتماد ذرائع سے معلوم ہوا کہ مجلسِ شوریٰ کے بعد بعض اُن لوگوں نے جو حضرت مہتمم صاحب سے اپنا خاص الخاص نیازمندانہ تعلق ظاہر کرکے اُن کا تقرب و اعتماد حاصل کرنا چاہتے ہیں اُن کو بتلایا اور باور کرایا کہ شوریٰ نے ان فیصلوں میں آپ پر بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے۔

محفوظ رقم سے یونٹ ٹرسٹ کے حصے خریدنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رقم کی درآمد برآمد جس طرح اب آپ کے اختیار میں ہے (کہ جب جس قدر چاہی نکال لی) اس طرح اختیار میں نہیں رہیگا۔— اور اساتذہ سے متعلق آپ کی رپورٹ کے بارے میں جو فیصلہ کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شوریٰ کو آپ کے بیان اور آپ کی رپورٹ پر اعتماد نہیں، اگر وہ آپ پر اعتماد کرتی تو اس کی بنیاد پر وہ اُن لوگوں کے خلاف تحریری تادیب کا فیصلہ کرتی۔ اور حسابات اور مالی معاملات کی جانچ کیلئے کمیشن مقرر کرنے کا تو کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ اِن کو مالیات کے بارے میں آپ پر اور آپ کے عملہ پر اعتماد نہیں ہے

مہتمم صاحب اکتوبر کی اِس مجلسِ شوریٰ کے چند ہی روز بعد طویل سفر پر امریکہ تشریف لے گئے تھے۔ اسی زمانہ میں دہلی کے ایک ہفتہ وار اخبار میں مجلسِ شوریٰ اور اس کے ارکان کے خلاف مہم شروع ہوئی اور زور و شور سے مسلسل لکھا گیا کہ دارالعلوم کے معاملات میں مہتمم صاحب مختارِ کل ہیں، مجلسِ شوریٰ کا کام مشورہ دینا ہے، مہتمم صاحب اِن کے مشوروں اور تجاویز کے پابند نہیں ہیں اور دارالعلوم کا موجودہ دستور غلط ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے مقرر کیے ہوئے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ اخبار جس کی پہلے کوئی حیثیت نہیں تھی (راقم السطور نے تو کبھی نام بھی نہیں سنا تھا)

اب بہت بڑی تعداد میں چھپتا ہے۔ اور لوگوں کو مفت بھیجا جاتا ہے۔ ان دنوں میں عاجز کے پاس بھی برابر آتا تھا اور کبھی کبھی ایک ہی شمارے کے متعدد پرچے بھی آتے تھے۔

۳۰، ۳۱ ، اکتوبر ۸۰ء کو ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلسِ انتظامی کا جلسہ تھا دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے متعدد ارکان اس کے بھی رکن ہیں۔ جناب مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی ، جناب مولانا منت اللہ رحمانی ، جناب مولانا سعید احمد اکبرآبادی اس جلسہ کی شرکت کے لیے لکھنؤ تشریف لائے ہوئے تھے ـــ اتفاق یہ ۳۰ اکتوبر کو دہلی کے اس ہفتہ وار اخبار کا ایک شمارہ میرے پاس آیا۔ اس میں علاوہ اور بہت سی خرافات کے دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ اور دستور کے بارے میں وہی لکھا گیا تھا جو اوپر ذکر کیا گیا۔ اور ۱۱، ۱۲ ، اکتوبر ۸۰ء کو ہونے والے مجلسِ شوریٰ کے مذکورۂ بالا جلسہ کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ وہ جلسہ ہوا ہی نہیں۔ جو ارکان آئے تھے وہ فلاں وجہ سے کوئی فیصلہ کیے بغیر روانہ ہو گئے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ میں مجلسِ شوریٰ کے اس جلسہ میں شریک نہیں ہوا تھا رفیقِ محترم مولانا علی میاں شریک ہوئے تھے ، اور ان سے شوریٰ کی کارروائی معلوم ہو گئی تھی ـــ اس اخبار میں یہ پڑھ کر حیرت ہوئی کہ جلسہ ہو ہی نہیں سکا۔

میں وہ شمارہ لے کر دارالعلوم ندوۃ العلماء گیا جہاں مہمان خانہ میں ان حضرات کا قیام تھا۔ ان سب حضرات نے دیکھا اور طے ہوا کہ جو ارکان ۱۱، ۱۲ اکتوبر کے جلسہ شوریٰ میں شریک ہوئے تھے اور یہاں اس وقت اتفاق سے جمع ہیں

اُن کی طرف سے ایک بیان شائع ہو، جس میں دِلی والے اخبار کا کوئی ذکر نہ کیا جائے بس مثبت انداز میں حقیقت واضح کردی جائے — چنانچہ بیان مُرتب ہوا. اور اگلے ہی دن کے "قومی آواز" لکھنؤ اور "عزائم" لکھنؤ میں شائع ہوگیا، 'عزائم' میں بیان کا پورا متن شائع ہوا تھا۔ یہ بیان جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، جناب مولانا منت اللہ صاحب رحمانی، جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی اور جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی طرف سے اور اُن کے دستخطوں شائع ہوا تھا. (یہ چاروں حضرات ۱۱،۱۲ اکتوبر والی مجلسِ شوریٰ میں شریک ہوئے تھے)، یہ بیان خاصا طویل اور بہت مفصّل تھا. اِس کے شروع میں شوریٰ کے اُس جلسہ میں طے ہونے والی تجاویز کا بھی ذکر کیا گیا تھا (جن میں سے بعض کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے)۔ آخر میں لکھا گیا تھا کہ

> "اِسی موقع پر ہم یہ امر بھی واضح کردینا چاہتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کا ایک دستور ہے جس کے تحت زمانہ قدیم سے دارالعلوم کا پورا نظام چل رہا ہے۔ شوریٰ، اِسی دستور کی روشنی اور تصریحات کی بنیاد پر "ہیئت حاکمہ" ہے اور دارالعلوم کے تمام معاملات میں، اُسے آخری اختیارات حاصل ہیں۔ دارالعلوم کے دستور کا یہی تقاضہ ہے، اور عرصۂ دراز سے اسی پر عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔"

"روزنامہ عزائم لکھنؤ" یکم نومبر شمارہ میں عرض کرچکا ہوں کہ حضرت مہتمم صاحب اکتوبر والی اِسی مجلسِ شوریٰ کے بعد طویل سفر پر تشریف لے گئے تھے۔ دہلی کے اِس ہفتہ وار اخبار میں مجلسِ شوریٰ اور دستور کے خلاف جو مہم چلائی جارہی تھی ہم میں سے کسی کو شبہ نہیں تھا کہ مہتمم صاحب کے ذہن میں بھی اِس طرح کی کوئی بات ہوسکتی ہے، اور وہ بھی کبھی اِس طرح سوچ سکتے ہیں، لیکن بعد کے واقعات نے بتلایا کہ اُنہوں نے یہی راستہ اختیار فرمالیا.

(۲)

ابھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ ۳۰، ۳۱ اکتوبر کو ندوۃ لکھنؤ کی مجلسِ انتظامی کا جلسہ تھا۔ اس میں شرکت کیلئے جناب مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی، جناب مولانا منت اللہ صاحب رحمانی اور جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی بھی تشریف لائے ہوئے تھے، مولانا رحمانی تو ۳۱ کو لکھنؤ سے روانہ ہو گئے، لیکن مفتی صاحب اور مولانا اکبر آبادی کا رزرویشن نہیں ہو سکا اس لئے ان حضرات کا قیام یکم نومبر کو بھی دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانے میں رہا۔ ان حضرات کی وجہ سے میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ مولانا علی میاں بھی تشریف رکھتے تھے، دار العلوم دیوبند میں جو خلفشار اجلاس صد سالہ کے بعد سے شروع ہو گیا تھا اور جس کے نتیجہ میں وہاں کے اساتذہ بھی دو صفوں میں تقسیم ہو گئے تھے، اور ہنگاموں تک نوبت آ گئی تھی، ہم سب کو اس کی فکر تھی۔ یکم نومبر کی صبح جب میں ان حضرات کے پاس پہنچا تو دار العلوم ہی کا مسئلہ ہماری گفتگو کا موضوع تھا۔ ایک مرحلہ پر میں نے اپنا یہ خیال عرض کیا کہ دار العلوم کی اس صورتِ حال کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے مہتمم صاحب اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے قدرتی طور پر بہت ضعیف اور ان کے قویٰ بہت مضمحل ہو گئے ہیں۔ اب وہ اس حال میں نہیں ہیں کہ اتنے وسیع و عظیم ادارہ کے نظام پر قابو پا سکیں اور اس کو صحیح طور پر چلا سکیں اس لئے میری رائے یہ ہے کہ مجلسِ شوریٰ ان کی طویل خدمات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اعزازی طور پر ان کو تاحیات اعزازی مہتمم قرار دیدے اور کسی دوسری مناسب شخصیت کو کارگزار مہتمم بنا دیا جائے اور دار العلوم کے انتظام و اہتمام کی ذمہ داری اسی کے سپرد کی جائے۔ ان حضرات میں سے ایک محترم نے

فرمایا کہ اس صورت میں یہ بھی ضروری ہوگا کہ اُن کا موجودہ مشاہرہ بدستور جاری رہے، میں نے عرض کیا کہ میرے نزدیک اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، مہتمم صاحب کی طویل خدمت اور دیگر خصوصیات و امتیازات کی بنا پر یہ ایک استثنائی معاملہ ہوگا۔ بہرحال اس وقت ہم سب کا اس پر اتفاق ہوگیا (ملحوظ رہے کہ یہ ایک نجی غیر رسمی گفتگو تھی)۔

یہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا اندازہ تھا کہ حضرت مہتمم صاحب سفر سے واپس آکر دستور[1] اور معمول کے مطابق محرم میں مجلسِ شوریٰ کا اجلاس بلائیں گے تو ہم پہلے اُن کی خدمت میں اور اس کے بعد مجلسِ شوریٰ ہی میں اسکو رکھیں گے۔ لیکن اُنہوں نے سفر سے واپس آکر بالکل خلافِ توقع وہ رویّہ اختیار فرمایا جس کا ذکر یہ عاجز اپنے تفصیلی بیان میں کرچکا ہے، (کہ اُنہوں نے مجلسِ شوریٰ کو بالکل نظر انداز کرنے اور اس کا اجلاس نہ بلانے کا فیصلہ فرمالیا اور وہ احکام خود نافذ فرمانے شروع کردیئے جو مجلسِ شوریٰ ہی کے اختیار میں تھے) بالآخر کئی مہینے گزر جانے کے بعد دستور کی ایک دفعہ کے مطابق سات ارکان کی طرف سے مجلسِ شوریٰ کا اجلاس بلانے کا مہتمم صاحب سے مطالبہ کیا گیا، اور اس کے نتیجہ میں محرم کے چھ مہینے بعد رجب میں مجلسِ شوریٰ کا اجلاس بلایا گیا (غالباً مہتمم صاحب نے محسوس فرمالیا کہ مجلسِ شوریٰ کو نظر انداز اور معطل کرنے والی بات چلنے والی نہیں ہے) بہرحال یہ اجلاس اواخر رجب ۱۳۹۹ھ میں ہوا۔ اس کی تفصیل ناظرین کرام کو اکتوبر کے شمارہ میں شائع ہونے والے میرے بیان سے معلوم ہوچکی ہے۔ اس وقت شوریٰ کے اس جلسہ

[1] دارالعلوم کے دستورِ اساسی کی رو سے سال میں مجلسِ شوریٰ کے دو اجلاس ضروری ہیں۔ ایک محرم میں دوسرا رجب میں۔

کے بارے میں ایک بات یہاں بھی عرض کرنی ہے جو پہلے غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دی گئی تھی۔

میں کئی سال سے جس حال میں ہوں کہ میرے لئے سفر کرنا بہت مشکل اور تکلیف دہ ہوتا ہے اور سفر کرنا ہی پڑے تو ایک یا دو آدمیوں کو ساتھ لینا ہوتا ہے اور فرسٹ کلاس ہی سے سفر ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے مصارف بہت زیادہ ہوتے ہیں (دیوبند آمد و رفت پر چھ سات سو صرف ہو جاتے ہیں)، اسی وجہ سے گذشتہ کئی سالوں سے میں مجلسِ شوریٰ کے جلسوں میں شریک نہیں ہو سکا تھا، لیکن رجب ہونے والے اس جلسہ میں خاص کر دو مسئلوں کی وجہ سے میں نے اپنی شرکت ضروری سمجھی۔ ایک مہتمم صاحب کی کبر سنی کی وجہ سے پیدا ہونے والا اہتمام و انتظام کا وہ مسئلہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا، اور دوسرا انتخاب ارکان کا مسئلہ۔ پچھلے چند سالوں میں مجلس کے چار ارکان وفات پا چکے تھے۔ ان کی جگہ نئے ارکان کے انتخاب کا مسئلہ بھی اسی مجلسِ شوریٰ کے ایجنڈے میں تھا۔ یہ بات کوئی راز نہیں ہے، دارالعلوم کے حالات سے واقفیت رکھنے والوں کو عام طور سے معلوم ہے اور میں اپنے بیان میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ میں چند محترم ارکان وہ ہیں جن کو (غلط یا صحیح طور پر) مہتمم صاحب کا گروپ سمجھا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ چند ارکان وہ بھی ہیں جن کا ان دونوں حلقوں میں سے کوئی خاص ربط و تعلق نہیں ہے (ان کو نا وابستہ کہا جا سکتا ہے)، اس عاجز راقم السطور کا حال بھی یہی رہا ہے۔

رجب والی مجلسِ شوریٰ سے کئی ہفتے پہلے یہ بات میرے علم میں آ گئی کہ مذکورہ بالا دونوں حلقوں کی طرف سے یہ کوشش ہے کہ ان کے اعتماد کے ارکان منتخب ہو

جائیں، میری ہمیشہ سے یہ رائے اور کوشش رہی ہے کہ ایسے ارکان منتخب ہوں جو کسی حلقہ یا کسی شخصیت کا لحاظ کئے بغیر ہر معاملہ میں صرف دارالعلوم کا مفاد، دین کی مصلحت اور اللہ کی رضا کو پیشِ نظر رکھ کر رائے دیں ــــ بہرحال میں نے خاص طور سے اِس مقصد کیلئے شوریٰ کے اِس جلسہ میں شرکت کا فیصلہ کیا اور شریک ہوا ــــ میں نے ذاتی غور و فکر اور بعض مخلصین کے مشورہ سے ۴-۵ حضرات سوچے تھے کہ اگر موقع ہوا تو ان کے نام پیش کروں گا ــــ شوریٰ کا اجلاس شروع ہونے سے پہلے علی الصبح ایک محترم رکن مجھ سے ملے (یہ اُس حلقہ سے تعلق رکھتے تھے جو مولانا اسعد میاں سے وابستہ سمجھا جاتا ہے۔) اُنھوں نے ارکان کے انتخاب ہی کے مسئلہ پر مجھ سے بات کی، اور چند نام بھی لئے کہ ہماری رائے اُن کے بارے میں ہے۔ میں نے اپنا نقطۂ نظر عرض کر دیا، اور صفائی سے کہہ دیا کہ جو نام آپ نے بتلائے ہیں اُن کو میں "ناوابستہ" نہیں سمجھتا، اِس لئے ان سے اتفاق نہیں کر سکتا ــــ اُنھوں نے میری رائے دریافت کی، میں نے جو نام سوچے تھے، وہ بتلا دیئے۔ اُنھوں نے اِن ناموں سے اتفاق ظاہر کیا ــــ اِس کے بعد جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور جناب مولانا منت اللہ رحمانی صاحب سے اِس بارے میں مشورہ ہوا۔ یہ دونوں حضرات مجلسِ شوریٰ کے اہم ارکان میں سے ہیں اور حضرت مہتمم صاحب کے معتمد بھی ہیں۔ میں نے اپنا نقطۂ نظر عرض کیا اور اُن ناموں کا بھی ذکر کیا جو میں نے سوچے تھے، مولانا رحمانی نے اُن میں سے ایک صاحب کے بارے میں بتایا کہ یہ "ناوابستہ" نہیں ہیں، ان کا مولانا اسعد میاں سے تعلق ہے، اِس سلسلہ میں اُنھوں نے ایک واقعہ کا ذکر بھی فرمایا ــــ میں نے کہا کہ اگر شبہ بھی ہے تو اُن کو چھوڑ دیا جائے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ دارالعلوم کے دستور اور آئین کی رو سے اِن چار ارکان میں سے ایک کو قصبہ دیوبند سے منتخب کرنا تھا۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب نے فرمایا کہ مہتمم صاحب کی خواہش ہے کہ فلاں صاحب کو منتخب کر لیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ اُن کے متعلق تو مجھے، آپ کو اور سب ہی کو معلوم ہے کہ وہ مہتمم صاحب کے خاص آدمی ہیں، اس کے علاوہ اپنی شخصیت کے لحاظ سے بھی وہ دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ کی رکنیت کے لئے کسی طرح موزوں نہیں ہیں۔ اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کے نواسے مولانا محمد عثمان صاحب پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ اِن کے بارے میں ایک قانونی اور دستوری تقاضا یہ تھا کہ وہ دارالعلوم کے مدرس تھے اور دستور کی رو سے دارالعلوم کے کسی ملازم کو رکن منتخب نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا حل یہ سوچا گیا کہ مولانا محمد عثمان صاحب کو مشورہ دیا جائے کہ وہ مدرسی سے استعفیٰ دے دیں، اس کو منظور کر لیا جائے۔" چنانچہ ہم نے اُسی وقت اُن کو بلوایا، بات کی، وہ آمادہ ہو گئے اور استعفیٰ لکھ کر ہم لوگوں کے حوالے کر دیا۔

یہ ساری باتیں شوریٰ کا جلسہ شروع ہونے سے پہلے نجی مشورہ کے طور پر ہوئیں۔ اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ مجلسِ شوریٰ میں جو چار نام رکنیت کیلئے اِس عاجز نے پیش کئے متفقہ طور پر منظور کر لئے گئے۔ جیسا کہ میرے بیان سے معلوم ہو چکا ہے مولانا محمد عثمان صاحب کے علاوہ تین حضرات یہ تھے جناب مولانا صدیق احمد صاحب باندوی، جناب نواب عبیدالرحمٰن صاحب شروانی (علی گڑھ)، اور جناب سیٹھ حاجی علاؤالدین صاحب (بمبئی) اِن تینوں حضرات سے جو شخص واقف ہے وہ شبہ بھی نہیں کر سکتا کہ اِن میں سے کوئی بھی مذکورہ بالا دو حلقوں میں سے کسی حلقہ سے وابستہ ہے۔

اکتوبر کے شمارے میں شائع ہونے والے میرے بیان میں تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب ایجنڈے کی ایک دفعہ کے تحت دارالعلوم کے نظام کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا مسئلہ زیرِ غور آیا تو خود حضرت مہتمم صاحب نے قریباً دو صفحے کی ایک تحریر درخواست کے طور پر پیش فرمائی۔ اس میں انہوں نے اپنے بارے میں خود تحریر فرمایا تھا کہ:-

"میں کافی ضعیف ہو چکا ہوں، بتقاضائے عمر قویٰ اور اعصاب جواب دیتے جا رہے ہیں، خصوصاً قوتِ سماعت اور قوتِ حافظہ زیادہ متاثر ہوئی ہے جس سے بحث وغیرہ کے وقت مسائل کا ادراک میں مشکل سے پڑتے ہیں، اور جزئیات استحضار بھی نہیں ہوتیں۔"

آگے تحریر فرمایا تھا:

"ان حالات اور وجوہات کی بنا پر میری درخواست ہے کہ داخلی نظم کی مسئولیت کا تعلق مجھ سے نہ رکھا جائے۔ اور جواب دہی سے مجھے ہلکا کر دیا جائے... جو کلیۃً نائب اہتمام پر عائد کی جائے۔"

مہتمم صاحب نے اپنی اسی تحریر میں اپنا یہ منشا بھی ظاہر فرما دیا تھا کہ اس حال میں بھی وہ اہتمام کے منصب پر رہنا چاہتے ہیں — مجلسِ شوریٰ نے مہتمم صاحب کی اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے اُن کو دارالعلوم کے پورے داخلی نظام جملہ

تعلیمی، انتظامی، مالی شعبہ جات کی ذمہ داری اور مسؤلیت سے سبکدوش کر کے صرف یہ دو کام اُن کے ذمہ رکھے تاکہ منصب اہتمام پر اُن کے برقرار رہنے کا جواز رہے۔

(۱) مسلک دارالعلوم کی حفاظت واشاعت (۲) دارالعلوم کے حلقہ اثر کی توسیع، اور اہتمام کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے شوریٰ کے ارکان ہی میں سے مددگار مہتمم کے عنوان سے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا اور نائب مہتمم کی حیثیت سے مولانا محمد عثمان صاحب کا انتخاب کیا۔ مولانا نصیر احمد خان صاحب پہلے سے نائب مہتمم تھے ۔ یہ سب فیصلے نہ صرف اتفاقِ رائے بلکہ سب کی خوش دلی سے ہوئے — دارالعلوم کے سرکاری ترجمان " ماہنامہ دارالعلوم " کے اگست کے شمارہ میں پورا ۴ صفحے کا اداریہ مجلس شوریٰ کے اجلاس کی کارروائی پر لکھا گیا تھا۔ یہ پورا اداریہ پڑھنے کے لائق ہے، اس کی ابتدائی چند سطریں یہاں پڑھ لی جائیں:

" ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ رجب ۱۴۰۱ھ تین دنوں تک مسلسل مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا اجلاس مہمان خانہ میں ہوتا رہا۔ جس میں تمام اراکین نے شرکت کی۔ ایک سال سے جو اضطراب انگیز حالات چل رہے تھے، اُن سے یہ سب حضرات متاثر تھے، یہی وجہ تھی کہ ہر ایک نے اخلاص و للّہیت کے ساتھ دارالعلوم کی عظمت اور اس کے تقدس کی حفاظت اور اندرونی امن و سکون پر غور و فکر کیا، اور اتفاقِ رائے سے ضروری فیصلے کئے۔ شوریٰ میں چار جگہیں بعض ممبران کی وفات سے خالی تھیں انھیں پُر کیا اور مناسب حال اراکین کا انتخاب کیا۔ پھر حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی تحریر کو سامنے رکھ کر ایک مزید نائب مہتمم اور مددگار مہتمم کا اضافہ کیا

اور نائبین کو پورا اختیار سونپا کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق دار العلوم کے کاموں کی نگرانی کریں۔ اور یہ کہ شوریٰ کے سامنے وہی جوابدہ ہوں گے۔

مولانا نصیر احمد خاں صاحب پہلے سے نیابت کے فرائض انجام دیتے چلے آرہے ہیں، دوسرے نائب مہتمم کے لئے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ کے نواسے اور شہر دیوبند کے قدیم چیرمین مولانا محمد عثمان صاحب کا انتخاب عمل میں آیا، جن کی جراءت وبیباکی زبان زد خاص وعام ہے، جن کی زندگی کا مشن ہی حق گوئی اور حق پرستی رہا ہے، دیانت وامانت میں شہرتِ عامہ رکھتے ہیں۔ ماشاء اللہ مستعد بھی ہیں، اور فعال بھی پھر یہ کہ دار العلوم کے قدیم مدرس بھی تھے۔

مددگار مہتمم کے عہدے پر مجلسِ شوریٰ کے قدیم رکن حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری فائز کئے گئے، جن کا خاندان عزّت وشرافت اور دیانت میں عرصہ سے بجنور میں مشہور ہے۔ اور جو خاندان قاسم العلوم والخیرات حضرت نانوتوی قدس سرہٗ سے بھی وابستہ رہا ہے۔ . . .

چنانچہ اس پر عمل بھی شروع ہوگیا ہے۔ اِدھر ایک ماہ سے اِن دونوں حضرات نے بڑی تن دہی، مستعدی اور لگن کے ساتھ کام شروع کردیا ہے۔ مددگار مہتمم ہر تھوڑے وقفے کے ساتھ آتے رہتے ہیں، اور کئی کئی دن قیام کرکے دفاتر اور کاموں کی نگرانی فرماتے ہیں۔ مولانا محمد عثمان صاحب نائب مہتمم اپنے فرائض کی ادائیگی میں بہت چست اور مستعد ہیں، ایک ایک کام پر نظر رکھتے ہیں، اُن کے ہاں "آج کا کام کل پر مت ڈال" کے اصول پر پورا پورا عمل ہے"

(ماہنامہ دار العلوم دیوبند، بابت اگست)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ "ماہنامہ دار العلوم" کے نگرانِ اعلیٰ خود حضرت مہتمم صاحب ہیں، اور اُس کے اداریہ نویس صاحب اور مدیر د مرتب صاحب بھی اُن کے خاص

الخاص معتمدین میں سے ہیں.

ظاہر ہے کہ دارالعلوم کے سرکاری ترجمان کے ماہِ اگست (شوال) کے اداریہ کا یہ اقتباس اِس بات کی ناقابلِ شکست شہادت ہے کہ رجب کی اِس مجلس کے کم از کم دو مہینے بعد تک حضرت مہتمم صاحب اور مجلسِ شوریٰ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، اور خود مہتمم صاحب اور اُن کے مقربین و معتمدین نے بھی مددگار مہتمم کی حیثیت سے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور نائب مہتمم کی حیثیت سے مولانا محمد عثمان صاحب کے انتخاب کو اور اِس مجلس شوریٰ کے تمام فیصلوں کو پوری خوش دلی سے قبول فرمایا تھا.

(۵)

رجب کے اِس جلسۂ شوریٰ کے بعد شوال (اگست) میں پھر اِس کا جلسہ ہوا. اُس کی کارروائی کا ذکر بھی اچھی خاصی تفصیل سے پہلے اگست و ستمبر کے مشترک شمارے میں اور اُس کے بعد اکتوبر کے شمارے والے بیان میں کیا جا چکا ہے۔ اِسی سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اِس جلسۂ شوریٰ کے موقع پر مہتمم صاحب کو اپنے ایک خاص مقصد کے بارے میں شوریٰ کی طرف سے مایوسی ہوئی، جلسہ کے بعد اُن کے بعض ناعاقبت اندیش قریبی لوگوں اور کچھ باہر کے چالاک مفاد پرستوں نے اُن کو مشورہ دیا کہ مجلسِ شوریٰ توڑ کر اپنے اعتماد کے لوگوں کی نئی شوریٰ اور موجودہ دستور منسوخ کر کے اپنے حسب منشا نیا دستور بنا لیا جائے. اور مقدمہ بازی کے بعض ماہرین سے اِس طریقِ کار کے بارے میں بھی رہنمائی حاصل کی گئی[۱].

اِس عاجز کو دیوبند کی اطلاعات سے جب یہ بات معلوم ہوئی تو شروع میں

---

[۱] یہ طریقِ کار وہی تھا جو بعد میں ۱۸ر اکتوبر کے دہلی کے اجتماع اور ایڈہاک کمیٹی کی شکل میں سامنے آیا۔

یہی خیال رہا کہ حضرت مہتمم صاحب شریعت، اخلاق اور قانون کے لحاظ سے اتنے غلط کام کیلئے تیار نہ ہو سکیں گے۔ لیکن جب دہلی کے ۱۸ اکتوبر والے اجتماع کا اعلان ہوا اور ایک صاحب نے اس کا دعوت نامہ دِکھلایا جو خود حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے جاری ہوا تھا اور پورا منصوبہ بھی بتلایا تو یقین کر لینا پڑا کہ انہوں نے اپنے کو اِس انتہائی غلط اور موجب فتنہ اقدام کیلئے بھی آمادہ کر لیا ہے جو اُن کی شان اور اُن کی فطرت و مزاج کے بھی خلاف ہے۔ اور میں نے اُس کو اُن کی کبر سنی ہی کا نتیجہ سمجھا۔

اب میرے سامنے اپنی ذات کے بارے میں یہ سوال آگیا کہ مجھے کیا رَوّیہ اختیار کرنا ہے؟ قریباً چالیس سال سے میرا یہ حال ہو گیا ہے ہر طرح کے اختلافات، تنازعوں اور جھگڑوں سے طبیعت بھاگتی ہے۔ میرے حالات سے واقفیت رکھنے والے میرے احباب جانتے ہیں کہ اِس عرصے میں بار بار ایسا ہوا ہے، کسی اجتماعی کام یا نظام سے وابستگی کا فیصلہ کیا، اور جب کسی وجہ سے بے اطمینانی یا اختلاف کی شکل پیدا ہوئی تو خاموشی سے بے تعلقی اختیار کرلی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس میں بڑی عافیت اور خیریت ہے۔ چنانچہ طبیعت کا تقاضہ یہی تھا کہ مہتمم صاحب کے اِس اقدام سے اُن کے اور مجلس شوریٰ کے درمیان اختلاف اور کشمکش کا جو نیا سلسلہ شروع ہوگا جو یقیناً بہت دُور تک جائیگا، اور سنگین ہوگا، اس سے اپنے کو بے تعلق رکھنے کے لئے خاموشی سے یا صورتِ حال سے بیزاری ظاہر کر کے مجلس شوریٰ کی رکنیت سے استعفا بھیج دیا جائے (جس کا تقاضا طبیعت میں پہلے سے بھی تھا، جیسا کہ مفصّل بیان میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے) یہ بڑی عافیت کا اور عزت و آبرو کی حفاظت کا راستہ تھا۔

دوسری طرف شرعی حیثیت سے یہ پہلو بھی قابل غور تھا کہ دار العلوم اگرچہ ہماری غلطیوں اور غفلتوں کی وجہ سے اب جیسا کچھ بھی ہے) بہر حال وقف ہے، خداوندی

امانت ہے اور مجلسِ شوریٰ یعنی اِس کے ارکان اِس کے امین ہیں، اُس کی حفاظت اور اصلاحِ حال کی تا امکان فکر و کوشش اُن کا فریضہ ہے۔

دو تین دن میرے سخت ذہنی کش مکش میں گزرے۔ یہ بات بھی سامنے تھی کہ اگر اس موقع پر میں نے استعفا دے دیا تو شوریٰ کے فلاں فلاں محترم ارکان بھی جن کا کسی خاص گروپ سے تعلق نہیں ہے اپنے بارے میں یہی فیصلہ فرمائیں گے اور اس کے بعد اُن ناخدا ترس طالع آزماؤں کیلئے جنہوں نے حضرت مہتمم صاحب کی کبر سنی کی کیفیت سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُن کو غلط اور فتنہ انگیز اقدام کیلئے ہموار اور تیار کر لیا ہے[1] اُن کیلئے دارالعلوم پر اقتدار حاصل کر لینا آسان ہو جائے گا اور ہمارا استعفا دے کر الگ ہو جانا اُن کی ہمت ہمت بڑی مدد ہوگی۔۔ اور پھر خدانخواستہ دارالعلوم کا وہی حشر ہوگا جو اجمیر اور کلیر جیسی درگاہوں کے اوقاف کا سامنے ہے کہ اب وہ صرف کچھ لوگوں کی خوش عیشی کا ذریعہ ہیں۔

اِس مرحلہ پر میں نے ذاتی غور و فکر کے علاوہ بعض احباب اور صاحبِ رائے اہلِ علم اور اصحابِ فتویٰ سے بھی مشورہ کیا۔ میری طبعی خواہش تھی کہ اگر یہ اطمینان ہو جائے کہ موجودہ صورت میں استعفا دے کر بے تعلقی اور ایک سوئی اختیار کر لینے کی میرے لئے شرعاً گنجائش ہے تو میں یہی راستہ اختیار کروں، جیسا کہ عرض کیا کہ عافیت و راحت اور گالیوں اور بہتانوں سے عزت آبرو کی حفاظت کا یہی راستہ تھا۔ لیکن اپنے غور و فکر نے بھی اسی نتیجہ پر پہنچایا اور دوسرے اہلِ علم حضرات نے بھی یہی رائے ظاہر فرمائی کہ اِس خطرہ سے دارالعلوم کی حفاظت کی امکانی کوشش ارکانِ شوریٰ کا فریضہ ہے۔ نتیجہ کے وہ ذمہ دار نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ وہ وقت تھا جب ۴ اکتوبر والے اجتماع میں بہت کم وقت باقی رہ گیا تھا۔ میں نے طے کیا کہ دارالعلوم کے مسئلہ سے متعلق ایک بیان مرتب کروں جس کے ذریعہ اختلاف کی اصلی بنیاد اور واقعی حالات بتلانے کی کوشش کروں اور یہ بیان اجتماع سے پہلے شائع ہو کر لوگوں تک پہنچ جائے۔۔ وقت بہت کم تھا۔ میں نے وہ بیان انتہائی عجلت میں اِس طرح تیار کیا کہ کچھ اپنے قلم سے لکھا کچھ ایک عزیز سے املا کے

---

[1] ۔ اِس کے کچھ کے بعد اِس عاجز راقم سطور کو ایک قابلِ وثوق ذریعہ سے معلوم ہوا کہ پارلیمنٹ کے ایک مسلم ممبر جو چاہتے ہیں کہ دارالعلوم کا مسئلہ کسی طرح سلجھے اسی سلسلہ میں حضرت مہتمم صاحب کے پاس بھی پہنچے اور اپنی گفتگو میں لکھنؤ کے اس فارمولے کا ذکر کیا تو مہتمم صاحب نے اس سے لاعلمی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تو وہ دیکھا بھی نہیں۔

کے طور پر لکھوایا۔ اکتوبر کا الفرقان اتنے تنگ وقت میں تیار نہیں ہو سکتا تھا اس لئے بیان کو پہلے کتابچہ کی صورت میں شائع کر دینے کا فیصلہ کیا۔ کاتب صاحب، ساتھ ہی ساتھ اس کی کتابت کرتے رہے، میں نظرِ ثانی بھی نہیں کر سکا، پروف بھی نہیں دیکھ سکا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس عجلت کی وجہ سے کوئی غلط بات قلم سے نہیں نکلی، لیکن بعض فرد گذاشتیں ہو گئیں مثلاً ایک محترم رکنِ شوریٰ کا نام ایک جگہ ذکر میں آ گیا جو نہیں آنا چاہیئے تھا اور میرے مقصد کیلئے اس کی بالکل ضرورت نہ تھی، یہ فرد گذاشت اور اس طرح کی بعض اور فرد گذاشتیں صرف عجلت کی وجہ سے ہوئیں جن کا افسوس رہے گا ــ لیکن جو کچھ لکھا گیا ہے، ایک ایک لفظ واقعہ کے مطابق صحیح ہے اور دار العلوم کے موجودہ خلفشار کو سمجھنے کے لئے اس کا سامنے آنا ضروری تھا۔

بعض مخلصین نے لکھا کہ اس بیان میں حضرت مہتمم صاحب کی بعض "اُن باتوں کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے جو اُنہوں نے نجی طور پر اور تنہائی میں فرمائی تھیں ایسا نہ ہونا چاہیئے تھا ــ اس عاجز کو اصولی طور پر اس سے پورا اتفاق ہے۔ عام حالات میں اس کا کوئی جواز نہیں بلکہ یہ ایک درجہ کا گناہ ہے ــ مہتمم صاحب کی اِن گفتگوؤں کے بعد الفرقان کے متعدد شمارے شائع ہوئے جن میں رجب اور شوال کی اِن مجالس شوریٰ کی کارروائی کا ذکر کیا گیا جن میں یہ گفتگوئیں ہوئی تھیں، مَیں نے اُن کے بارے میں کوئی اشارہ بھی نہیں کیا، ہاں جب آخر ستمبر میں ۱۴ اکتوبر والے اجتماع کا اعلان حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے ہو گیا اور یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سب کچھ مجلس شوریٰ توڑنے اور دستور منسوخ کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے، (بعد کی عملی کارروائیوں سے اس کی پوری تصدیق بھی ہو گئی) تو میں نے دار العلوم اور جماعت دار العلوم کو فتنہ سے بچانے کے لئے ضروری سمجھا کہ صفائی سے اس کا اظہار کر دوں

کہ مہتمم صاحب کے شعور اور معاملہ فہمی کی صلاحیت پر کبر سنی کا کتنا اثر ہے اور ان کے غیر شرعی، غیر اصولی اور غیر آئینی اقدام اصل محرک اور مقصد کیا ہے، تاکہ لوگ اصل حقیقت سے واقف ہو جائیں، اور بصیرت کے ساتھ رائے قائم کر سکیں ۔۔۔ اس کے لئے اُن گفتگوؤں کا ذکر دینا میرے نزدیک ضروری اور ناگزیر تھا۔ یہ کام اگرچہ میرے مزاج کے خلاف اور میرے لئے تلخ گھونٹ تھا لیکن دار العلوم اور جماعت کو فتنہ سے بچانے کے لئے میں نے اپنے کو اس کڑوے گھونٹ کے پینے پر آمادہ کر لیا، اور اب بھی مجھے طبعی طور پر اس کا دکھ ہے۔

(۶)

مجلسِ شوریٰ اور حضرت مہتمم صاحب کے موجودہ اختلافات کے بارے میں جو ۱۸ اکتوبر کے اجتماع سے شروع ہوا ہے، بعض حلقوں کی طرف سے نشر و اشاعت کے سارے ذرائع استعمال کر کے یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ یہ سب کچھ دار العلوم پر قبضہ کرنے کے لئے اسعد میاں کرا رہے ہیں، اور مجلس شوریٰ ان کی معاون اور آلۂ کار بن گئی ہے ۔۔۔ سنا تھا کسی ماہر سیاست کا یہ قول ہے کہ اپنی مصلحت اور کاربرداری کے لئے جھوٹ بولو اور اس کو اتنا دہراؤ کہ لوگ سچ سمجھ کر یقین کرنے لگیں ۔۔۔ یہ بھی شاید اسی کی ایک مثال ہے۔ میں یہ نہیں جانتا کہ اسعد میاں کے دل میں کیا ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ جو علیم بذات الصدور ہے وہی جانتا ہے۔ لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ اس وقت کی صورت یہ ہے کہ مجلس شوریٰ اور مہتمم صاحب کے موجودہ اختلاف کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ مجلس شوریٰ کے نزدیک دار العلوم کا دستور معیار اور گویا معاہدہ کی دستاویز ہے اور خود مہتمم صاحب اور ہم سب اس کے پابند ہیں۔ اور مجلس شوریٰ ہی دستور کی رو سے دار العلوم کی "ہیئت حاکمہ" ہے اور مہتمم صاحب اس کے مقرر کئے ہوئے مہتمم اور اس کے سامنے جوابدہ ہیں ۔۔۔ اور دستور کی رو سے ۱۸ اکتوبر والا اجتماع اور اس کی بنائی ایڈہاک کمیٹی قطعاً غیر آئینی اور دار العلوم کے دستور اور مجلس شوریٰ کے لئے چیلنج ہیں ۔۔۔ مہتمم صاحب نے اس سلسلہ میں جو رویہ اختیار فرمایا وہ ایسا ہے کہ کسی بھی باضابطہ ادارہ کا مہتمم و منتظم اگر ایسا کرے تو اس کو عہد شکنی اور بغاوت سمجھا جائیگا، اور اس کے خلاف ضابطہ کے مطابق کارروائی کی جائے گی اور اس منصب پر وہ ہرگز نہ رہ سکے گا۔

لیکن یہ عاجز چونکہ ان کی ان سب باتوں کو ان کی کبر سنی سے پیدا ہونے والی کیفیت کا نتیجہ سمجھتا ہے، اس لئے ایک درجہ میں ان کو معذور سمجھتا ہے، اور دار العلوم، جماعت دار العلوم اور خود حضرت مہتمم صاحب کے حق میں یہ بہتر سمجھتا ہے کہ مفاہمت و مصالحت سے کوئی ایسی صورت طے ہو جائے کہ حضرت مہتمم صاحب کی

محترم شخصیت کے احترام اور اُن کی طویل خدمت دارالعلوم کے اعتراف کے طور پر اُن کو تاحیات دارالعلوم کا اعزازی مہتمم یا صدر محترم یا سرپرست بنا دیا جائے اور اہتمام کی ذمہ داریوں سے اُن کو یکسر فارغ کر دیا جائے۔ اب وہ اِس حال میں قطعاً نہیں ہیں کہ دارالعلوم جیسے عظیم و وسیع ادارہ کی کوئی بھی ذمہ داری اُن پر رہے۔

یہ بات تو جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آ گئی ورنہ عرض یہ کیا جا رہا تھا کہ مجلسِ شوریٰ اور مہتمم صاحب کے درمیان موجودہ اختلاف کا بنیادی نقطہ وہ ہے جو اوپر عرض کیا گیا، اور مولانا اسعد میاں اِس مسئلہ میں مجلسِ شوریٰ کے ہم نوا اور اِس کے مؤید ہیں اور پورا تعاون دے رہے ہیں، اِس طرح اِس مسئلہ میں مجلسِ شوریٰ کے اور اُن کے درمیان اشتراک و تعاون ہے اور اُن کے لئے اِس کا موقع حضرت مہتمم صاحب کے ناعاقبت اندیش حلقہ ہی نے فراہم کیا ہے۔

بہر حال مجلسِ شوریٰ اور مولانا اسعد میاں کے موجودہ اشتراک و تعاون کی نوعیت یہی ہے۔ صورتِ حال ایسی ہے کہ دارالعلوم سے سچی ہمدردی رکھنے والے ہر مخلص مسلمان کو خاص کر جماعت دیوبند سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو دارالعلوم کو بُرے انجام سے بچانے کے لئے مجلسِ شوریٰ کے موقف کی تائید و حمایت اور اِس کے ساتھ اشتراک و تعاون کرنا چاہیئے۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ۰

ؔ اِن لوگوں میں بعض دارالعلوم دیوبند سے باہر کے بھی ہیں اور فتنہ کے اصل بانی مبانی وہی ہیں اور جہاں تک معلوم ہوا ہے قیادت انہی کے ہاتھ میں ہے۔

اِس عاجز کے لئے بعض اُن محترم ارکانِ شوریٰ کا رویّہ ناقابلِ فہم ہے جو دستور کی بالاتری اور مجلسِ شوریٰ کی "ہیئت حاکمہ" والی حیثیت اور ایڈہاک کمیٹی کے غیر آئینی ہونے کے بارے میں وہی رائے رکھتے ہیں جو باقی تمام ارکانِ شوریٰ کی ہے۔ لیکن اِس کے باوجود اِس اختلاف میں مہتمم صاحب کے موقف کی حمایت فرما رہے ہیں، حالانکہ وہ حضرات کبرسنی کی وجہ سے پیدا شدہ اِن کی موجودہ حالت و کیفیت اور اِس کے نتائج سے اور دوسرے حالات سے بھی پوری طرح واقف ہیں ـــ ہم سب کے لئے یہ مسئلہ بڑی سخت آزمائش کا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے کہ ذاتی رجحانات اور ذاتی تعلقات اور اسی طرح ذاتی اختلافات سے بالاتر ہو کر صرف اللہ کی رضا اور دارالعلوم اور جماعت کی فلاح و بہبود کو پیشِ نظر رکھ کر اپنے رویّہ کے بارے میں فیصلہ کریں۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے رویّہ کی جوابدہی کرنی ہے۔ اللّٰھم اھدنا و سددنا۔

مصالحت کی ایک کوشش اور اسکا افسوسناک انجام

آخر میں مصالحت کی ایک کوشش اور اس کے انجام کا ذکر کرکے گزارشات کے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں۔

گزشتہ دسمبر کے پہلے عشرہ میں مولانا منت اللہ رحمانی صاحب، مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب اور مولانا ابو السعود صاحب لکھنؤ مولانا علی میاں صاحب کے پاس تشریف لائے۔ دارالعلوم دیوبند کے الجھے ہوئے مسئلے کو سلجھانے کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ یہ عاجز بھی اس میں شریک کیا گیا۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ مولانا علی میاں مفاہمت و مصالحت کی گفتگو کیلئے دونوں فریقوں کے اہم ارکان شوریٰ کو ۱۹، ۲۰ دسمبر کیلئے دعوت دیں، چنانچہ مولانا موصوف کی جانب سے ایک طرف سے مولانا مرغوب الرحمٰن اور مولانا محمد عثمان صاحب کو دعوت دی گئی اور ان کے ساتھ مولانا اسعد میاں کو بھی مدعو کیا گیا تاکہ جو کچھ طے ہو وہ بھی اس کے پابند ہوں، دوسری طرف سے حضرت مہتمم صاحب، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب، مولانا رحمانی صاحب اور ان کے ساتھ جناب شیخ ذوالفقار اللہ صاحب کو بھی دعوت دی گئی جو حضرت مہتمم صاحب کے خاص معتمدین میں سے ہیں۔

مہتمم صاحب کی طرف سے تو بذریعہ تار کھنؤ سے اطلاع آگئی کہ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے تشریف نہیں لاسکتے۔ مفتی صاحب بھی کسی وجہ سے تشریف نہیں لاسکے۔ ۱۹ر دسمبر کو صرف مولانا رحمانی صاحب، قاضی مجاہد الاسلام صاحب اور شیخ ذوالفقار اللہ صاحب تشریف لائے۔ دوسری طرف سے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، مولانا عثمان صاحب اور ان کے ساتھ مولانا اسعد میاں بھی تشریف لائے۔ ۱۹ر اور ۲۰ر دسمبر دونوں دن باہم مشورہ اور تبادلۂ خیال کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر اللہ کی توفیق سے ایک فارمولے پر ہم سب کا اتفاق ہوگیا۔

مولانا رحمانی نے فرمایا کہ میں اس فارمولے کو لیکر دہلی جارہا ہوں، وہاں مفتی صاحب سے بھی بات ہوجائے گی، اور دیوبند سے ہم مولانا محمد سالم صاحب کو بلوائیں گے اور ان کو اس مصالحت پر آمادہ کرکے ان کو ساتھ لے کر میں اور شیخ ذوالفقار اللہ صاحب بھی حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں گے، جب وہ اس کو منظور فرمالیں گے تو ان سے عرض کریں گے کہ مجلس شوریٰ کے لئے کوئی تاریخ مقرر فرماکے یہیں سے ارکان کو دعوت نامہ جاری کردیا جائے۔ اس مقصد کیلئے دارالعلوم کا پیڈ بھی ساتھ لیکر جائیں گے۔ پھر اس مجلس شوریٰ میں اسی فارمولے کو متفقہ طور پر منظور کرلیا جائے گا اور یہ نامرضیہ قضیہ انشاء اللہ ختم ہوجائے گا۔

مولانا رحمانی ۲۱ر دسمبر کو دہلی کے لئے روانہ ہوگئے ... وہاں سے انہوں ...

مولانا محمد سالم صاحب کو دیوبند سے بلوالیا، اور فارمولا دکھلایا۔ انہوں نے کہا کہ میں
اس کو دیوبند لے جاؤں گا وہاں اپنے رفقاء سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کرسکوں گا۔
چنانچہ وہ دیوبند لے گئے ۔ معلوم ہوا کہ مولانا رحمانی کئی دن تک ان کا اور ان کے جواب
کا انتظار دہلی میں فرماتے رہے ۔ بعد میں ان کے علم میں آیا کہ وہ تو دیوبند سے (دہلی آکر
مولانا رحمانی سے ملے بغیر ہوائی جہاز سے) بمبئی تشریف لے گئے۔ اور مصالحت کا وہ فارمولا
ان کو منظور نہیں ہے۔ اور جب ان کو منظور نہیں ہے تو بات ختم ہوگئی (معلوم نہیں
کہ مہتمم صاحب تک وہ فارمولا پہنچا بھی یا نہیں) ۔ دارالعلوم کے اس سارے فتنہ و
فساد کی جڑ بنیاد یہی ہے کہ کوئی فیصلہ کرنا اب خود حضرت مہتمم صاحب کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

لکھنؤ کی مجلس شوریٰ میں پھر مصالحت کی بات اور اس کا انجام:

۱۷-۱۸ جنوری کو لکھنؤ میں مجلس شوریٰ کا جلسہ ہوا، تو مولانا منت
اللہ رحمانی صاحب، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب، مولانا ابوالسعود صاحب،
مولانا حکیم محمد زماں حسینی صاحب، اور مولانا حامد الانصاری غازی تشریف لائے (مجلس شوریٰ کے
یہی پانچ ارکان ہیں جن کو حضرت مہتمم صاحب کا حامی سمجھا جاتا ہے) اجلاس کے شروع
ہی میں ان حضرات کی طرف سے کہا گیا کہ یہ اجلاس غیر آئینی ہے، دیر تک اس پر گفتگو ہوتی رہی
بالآخر ایک محترم رکن نے یہ کہہ کر اس کو ختم کرایا کہ اس بحث میں وقت کیوں ضائع
کیا جائے۔ جن ارکان کے نزدیک یہ اجلاس آئینی ہے وہ کام شروع کریں، دوسرے حضرات کو
اپنے بارے میں اختیار ہے۔

اس کے بعد ان حضرات نے فرمایا کہ ایجنڈے کے مطابق کارروائی شروع کرنے سے
پہلے مفاہمت اور مصالحت کی کوشش کرلی جائے۔ یہ بات مان لی گئی اور اس کے
لئے ایک بجے تک کا وقت مقرر کردیا گیا۔ اور اسی فارمولے کی بنیاد پر بات شروع ہوئی
جو ۲۰ دسمبر کو مولانا علی میاں کی دعوت پر لکھنؤ میں مرتب ہوا تھا اور جس کی تیاری
میں سب سے زیادہ حصہ مولانا رحمانی کا تھا اور انہوں نے ہی اسی کو آخری شکل دی تھی۔

یہ حضرات اس کی ایک شق میں جو مہتمم صاحب سے متعلق تھی (جس کا حاصل
یہ تھا کہ مہتمم صاحب دارالعلوم کے مہتمم تو رہیں گے، لیکن دارالعلوم کے دستور اساسی
میں مہتمم صاحب کے جو فرائض و اختیارات لکھے گئے ہیں، ان کی پیرانہ سالی اور اسی غیر معمولی
ضعف قویٰ کی وجہ سے جس کا ذکر خود انہوں نے اپنی تحریر میں فرمایا تھا (اور جو ظاہر

باہر)۔ اُن فرائض و اختیارات کا تعلق اُن سے نہیں رہے گا۔ وہ سردست قائم مقام مہتمم یا نائبین اہتمام کے سپرد کئے جائیں گے۔ اِن حضرات نے فارمولے کی اِس دفعہ میں تبدیلی کا مطالبہ کیا اور اِس پر اصرار کیا کہ اختیارات مہتمم صاحب ہی کے پاس رہنے چاہئیں۔

مہتمم صاحب کا جو حال گزشتہ چند مہینوں میں تجربہ میں آیا ہے کہ دارالعلوم کے دستور و آئین کے خلاف اُنہوں نے ۲۴ اکتوبر کا اجتماع بُلا کر ایک ایڈ ہاک کمیٹی بنائی ۲۷ اکتوبر کو اِس کمیٹی کا جلسہ بلایا اور خود اِس کی صدارت فرمائی۔ اِس جلسہ میں مجلس شوریٰ اور دارالعلوم کے دستور کو کالعدم قرار دئے جانے کا فیصلہ فرمایا گیا، اور بھی اُن کے اِس طرح کے متعدد افسوسناک غیر آئینی اقدامات (جن کو یہ پانچوں حضرات بھی افسوسناک، غلط اور غیر آئینی ہی سمجھتے ہیں) ان کے بعد کسی بااُصول آدمی کے نزدیک اِس کا کوئی جواز نہیں کہ دارالعلوم جیسے عظیم و وسیع ادارے کے اختیارات حضرت مہتمم صاحب کے ہاتھ میں رہیں۔

حیرت ہے کہ یہ حضرات اتنی غلط بات کی حمایت و وکالت کئی گھنٹے تک کس طرح فرماتے رہے۔ بہرحال اِس بات کو قبول نہیں کیا جاسکا اور عرض کر دیا گیا کہ اگر آپ حضرات ۲۰ دسمبر والے فارمولے کے مطابق مصالحت کے لئے حضرت مہتمم صاحب کو آمادہ کرلیں تو مجلسِ شوریٰ اِس کے لئے ہر وقت تیار ہوگی۔ ●●

ہمارا مقصود نہیں رضائے حق مقصود ہے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کا ارشاد گرامی

قاری محمد طیب صاحب نے دارالعلوم کا جدی وارث ہونے کا دعویٰ دائر کر دیا

دیوبند (بذریعہ ڈاک)، مولانا قاری محمد طیب صاحب جو کافی طویل عرصہ سے بمبئی میں مقیم ہیں انہوں نے یونین بنک دیوبند پر سہارنپور کی عدالت میں دعویٰ کر دیا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ بنک مجھے رقم ادا کرے ورنہ پانچ ہزار روپے یومیہ ہرجانہ ادا کرنا ہوگا۔

قاری صاحب نے اپنے اس دعویٰ میں خود کو دارالعلوم کا موروثی وارث بتایا ہے، موصوف نے اس دعویٰ پر ۱۶ فروری کو بمبئی میں تصدیقی دستخط فرمائے ہیں، جبکہ یاد رہے کہ سید شہاب الدین، سلیمان سیٹھ اور ضیاء الرحمٰن انصاری جیسے ذمہ دار حضرات کی مصالحتی کمیٹی دارالعلوم کو جلد کھولنے کے لئے اور مصالحتی تجاویز پر بڑی گہرائی سے غور کر رہی ہے۔

قاری محمد طیب صاحب کے ایک عزیز نے اسی بنیاد پر الہ آباد ہائی کورٹ میں ایک رٹ بھی داخل کر رکھی ہے۔

اندرونِ سازش

دارالعلوم دیوبند کی رجسٹرڈ شدہ سرٹیفکیٹ کے تجدید کرانے کی داستان

(رجسٹرار کی مختصر جھلکیاں)

دارالعلوم دیوبند نامی ادارہ 1964ء میں یو۔پی رجسٹرار کے دفتر میں رجسٹرڈ کیا گیا تھا، اور 20 اشخاص پر مجلس شوریٰ بنائی گئی تھی، جس کے مہتمم جناب مولانا محمد طیب صاحب اور رکن مولانا مرغوب الرحمٰن تھے، اور قانون کے تحت ہر سال اس کی تجدید ضروری ہے، جس کی تعمیل میں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے تجدید کیلئے درخواست دی اور دستور کی ایک کاپی بھی دی گئی، اور اس طرح 2 سال کیلئے سرٹیفکیٹ کی تجدید ہوئی۔ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے تجدید کرانے کیلئے سال 81-79، اور نمبری تجدید مطلق تک 83-82 تک کے لئے [illegible] درخواست دفتر رجسٹرار میں بھیجی گئی، نیز مجلس شوریٰ منعقدہ 81-5-30 کے فیصلے اور قرارداد بھی روانہ کر دی۔ جس میں مولانا

محمد طیب صاحب مہتمم کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی غرض سے مولانا مرغوب الرحمٰن کو مددگار مہتمم اور مولانا محمد عثمان صاحب کو نائب مہتمم کی منظوری بنات خود قاری محمد طیب صاحب نے دی تھی۔

مگر افسوس کہ اسی کی تجدید ہمیشہ کی طرح ہو جاتی۔ جناب مہتمم صاحب نے رجسٹرار کو ایک درخواست ملفوفہ بیان کے ساتھ پیش کر دی کہ ان کے دستخط کے سوا کسی بھی طرف سے داخل کی ہوئی درخواست پر سرٹیفکیٹ کی تجدید نہ کی جائے، بلکہ شری قمر کاظمی کی جانب سے ادارہ کا نام بدل کر اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے نام سے ادارہ کے رجسٹریشن کے لئے درخواست پیش کر دی۔

رجسٹرار شری پریم شنکر نے دونوں فریقوں کو سننے اور رجسٹرڈ دستور کا مطالعہ کرنے کے بعد کہا کہ ادارہ کے دستور کے مطابق مجلسِ شوریٰ اعلیٰ ترین اختیارات کی حامل ہے اور وہی اعلیٰ اختیاری باڈی ہے، اور اسے مددگار و نائب مہتمم مقرر کرنے کا کلی اختیار حاصل ہے۔ اور کسی بھی دستور کی رو سے ادارہ کی سرٹیفکیٹ کی تجدید کا کیا جانا ادارہ کے مفاد میں ہے۔ لہٰذا ادارہ کا نام بدلنے اور نیا رجسٹریشن کرنے کی شری محمد طیب صاحب و قمر کاظمی صاحب کی درخواست رد کرتے ہوئے جناب مرغوب کی درخواست کی بنیاد پر دارالعلوم دیوبند کے سرٹیفکیٹ کی دوسری یا تیسری تجدید کئے جانے اور سوسائٹیز رجسٹریشن یوپی کے قواعد کی دفعہ ۱۲ کے تحت تجدید کے احکام صادر کئے جاتے ہیں۔

(مزید تفصیلات کے لئے رجسٹرار پریم شنکر یو.پی کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں)

مجلسِ شوریٰ کو دارالعلوم کے مفاد میں ہر اقدام کا حق ہے!

مصالحت کی کوششوں میں ناکامی پر مہتمم صاحب کی معطلی عمل میں آئی،

(مولانا عبداللہ رحمانی کا بیان)

مجلسِ شوریٰ کے لکھنؤ اجلاس کے فیصلوں کی مکمل حمایت

بھاگلپور، ۱۳، فروری۔ جناب عبداللہ رحمانی تاتارپور (بھاگلپور) نے ایک بیان دیا ہے، "فتنۂ دارالعلوم دیوبند رفتہ رفتہ اتنا بڑھا دیا گیا ہے کہ آخر کار مجلسِ شوریٰ کو کثرت رائے سے وہ فیصلہ کرنا پڑا جس کی شاید خود اسے بھی توقع نہیں تھی۔ لیکن

قوم و ملت کی تاریخ میں بارہا ایسے موڑ آئے ہیں کہ ملت کی کشتی کو ڈوبنے سے بچانے کی تمام مثبت کوششیں ناکام ہو جانے کے بعد ناخداؤں کو بادلِ ناخواستہ ناگوار منفی اقدام کرنے پر مجبور ہو جانا پڑا ہے۔ اور ملت کو بھی بطورِ علاج کڑوی گولی نگلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔

چنانچہ تقریباً نصف صدی پہلے اسی دارالعلوم مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم جیسے ذی علم، زیرک اور جہاں دیدہ مردِ مجاہد کو دارالعلوم کے وسیع تر مفاد کے پیشِ نظر نکال دینے کا فیصلہ کیا گیا اور مہتمم دارالعلوم قاری محمد طیب صاحب نے اسی فیصلہ کو بلا پس و پیش عملی جامہ پہنا کر اپنا فرضِ منصبی ادا کیا۔ اس تاریخی واقعہ کے عینی مشاہدوں میں سے جو آج بھی بقیدِ حیات ہوں گے وہ اس کی تفصیل بتا سکتے ہیں۔

لیکن حیرت ہے کہ آج جب دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ نے جسے بلاشبہ دارالعلوم کے مفاد میں ہر طرح کے اقدام کا قانونی، اخلاقی اور شرعی حق حاصل ہے۔ مصالحت کی تمام کوشش ناکام ہو جانے کے بعد مہتمم صاحب کی معطلی کا فیصلہ کیا تو اس پر ایک مخصوص گروہ کی طرف سے اس قدر واویلا کیوں مچایا جا رہا ہے؟ بیانات اور مراسلوں سے اخبار کے کالم کیوں سیاہ کئے جا رہے ہیں؟ آخر وہ لوگ کہاں سوئے ہوئے تھے جب عالمی مؤتمر ابنائے قدیم کے منتخب صدر سے ایک بے اصول جنگ کے دوران مہتمم صاحب نے اچانک اپنی بندوق کا رخ مجلسِ شوریٰ کی طرف پھیر دیا۔ اور شوریٰ پر پہلی گولی انہوں نے دہلی میں نام نہاد نمائندہ اجتماع بلا کر داغی، اور اس میں بمقابلہ شوریٰ ایک ایڈہاک کمیٹی بنا ڈالی۔ پھر کچھ دنوں بعد اپنی بنائی ایڈہاک کمیٹی کے ذریعہ تو انہوں نے مجلسِ شوریٰ کو "توپ دم" کرکے گویا بازی مار لی۔ اس سلسلہ میں یہ حقیقت بھی بڑی دلچسپ ہے کہ دہلی کے نمائندہ اجتماع میں تشکیل پانے والی ایڈہاک کمیٹی کی پہلی میٹنگ جو دیوبند سے طلب کی گئی اسی میں ایڈہاک کمیٹی کے نامزد ممبران کی ایک فیصد تعداد نے بھی شرکت نہیں کی۔ لیکن اسی غیر قانونی کمیٹی کی غیر دستوری میٹنگ میں مجلسِ شوریٰ کو معطل ہی نہیں تحلیل کر دینے کا "تاریخ ساز" فیصلہ کر دیا گیا۔ شوریٰ جیسی با اختیار اور مقتدر قانونی باڈی کے ساتھ مہتمم صاحب اور ان کے صاحبزادے یہ کھلواڑ کرتے رہے مگر اس وقت نہ ان ۵ معزز ممبرانِ شوریٰ کا کوئی بیان نظر سے گذرا نہ ان ہمدردان و خیرخواہان قاری صاحب (کاش یہ حضرات مہتمم صاحب کی ایماء و دارالعلوم سے اپنی خیرخواہی کا ثبوت دیتے) کا کوئی مراسلہ اخباروں کی زینت

بنا جو آج قاری صاحب کی متعلق غم و غصہ سے بھرے ہوئے بیانات داغ رہے ہیں۔ اور نہایت دل سوزی کے ساتھ مراسلے سپرد قلم فرما رہے ہیں۔ مراسلہ نگاروں کو چھوڑیئے مگر میں اُن پانچ ارکان شوریٰ سے پوچھنا چاہتا ہوں جنہوں نے اکثریت کے فیصلہ سے اختلاف کیا ہے، کیا اُن کے جن رفقائے کار نے بادل ناخواستہ اتنا سخت فیصلہ کیا اُن کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار رہ گیا تھا؟ کیا ممتاز المحدثین حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی، عرب و عجم میں یکساں مقبول و مشہور عالم دین، مفکر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، دینی و عصری علوم کے حامل نامور مصنف مؤلف اور صحافی حضرت مولانا سید احمد اکبرآبادی ایم۔ اے اور عرصہ تک مسلم یونیورسٹی کی مالیات کے امیر کی حیثیت سے اپنی امانت و دیانت کا گہرا نقش چھوڑنے والے شیروانی خاندان کے نیک نام بزرگ جناب عبداللہ خاں شیروانی جیسی مقتدر شخصیتیں کسی داخلی یا خارجی دباؤ کے تحت ایسے فیصلے کر سکتی ہیں؟ میں نے قصداً اس فہرست میں ایک اور بزرگ کو شامل نہیں کیا۔ کیونکہ ایک قول نے نہایت دریدہ ذہنی کے ساتھ روز اول سے ہی اُن کے کردار کشی کی ناپاک مہم چلا رکھی ہے اُن کی حق گوئی، بیباکی اور معاملہ فہمی کو بے جا ضد، ہٹ دھرمی یہاں تک کہ نعوذ باللہ چند ٹکے کے عوض "ضمیر فروشی" سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ (شکر ہے کہ علی الاعلان یہ جسارت مذکورہ بزرگوں کے بارے میں نہیں دکھائی جا رہی ہے)، خلوتوں میں تیرا ہوتا تو اور بات تھی) میری مراد حضرت مولانا منظور احمد نعمانی سے ہے جو اپنے دینی و علمی ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ کے علاوہ اپنی اَن گنت تصنیفات اور تالیفات کے ذریعہ مسلم معاشرہ کی اصلاح کی خدمت انجام دے کر اُمت مسلمہ کی عاقبت سنوارنے کے ساتھ اپنے لئے بھی نجاتِ اخروی کا سامان کر رہے ہیں۔

میں اُن حضرات سے جو اس فیصلہ سے برہم ہیں یہ عرض کروں گا کہ حضرت قاری صاحب مدظلہٗ اپنے تمام فضائل و مناقب اور خاندانی وقار کے باوجود دارالعلوم سے

بہتر نہیں ہیں۔ یہ مسلمہ ہے کہ کسی کا شخصی وقار یا خاندانی وقار کے باوجود ادارہ یا جماعت کے مفاد یا وقار سے بالاتر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جب اراکینِ شوریٰ کی اکثریت کے سامنے دارالعلوم اور مہتمم صاحب میں سے کسی ایک کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو شوریٰ نے اسی مسلمہ اصول کے تحت نہایت خلوص اور دیانتداری کے ساتھ دارالعلوم کا انتخاب کیا اور ملت کی امانت کا سچا امین و پاسبان ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا۔

کاش آپ حضرات بھی اپنے منصب کو پہچانتے اور اس پر غور فرمانے کی زحمت گوارا کرتے کہ قوم نے آپ کو دارالعلوم کے مفادات کا امین بنایا ہے نہ کہ کسی شخصیت یا خاندان کے مفادات کا، جن کے تحفظ کیلئے آپ میں سے بعض اپنی راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کرتے ہوتے ہیں۔ اب میں آخر میں یہ عرض کرتا چلوں کہ آپ جیسے صاحب علم و دانشور کو معطلی اور برخاستگی کا فرق بخوبی معلوم ہوگا۔ اور جیسا کہ سبھی جانتے ہیں شوریٰ نے مہتمم صاحب کو بھی معطل کیا ہے، نہ کہ برخواست۔ لہٰذا کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ حضرات جنہیں صاحب کا کلی اعتماد حاصل ہے اُن کے گرد مفاد پرستوں کے حصار کو توڑنے کی کوشش کریں اور اجتماعی شکل میں اُن سے ملاقات کر کے انہیں ان تمام فیصلوں اور اقدام سے رجعت کی ترغیب دیں، جو آخر میں اُن کی ذاتی عزت، علمی وقار اور خاندانی ناموس کو ملیامیٹ کرنے کا سبب بنتا جا رہا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ اگر آپ انہیں ایسا کرنے پر آمادہ کریں گے تو مجلس شوریٰ بھی اپنا فیصلہ واپس لے لینے میں تامل نہ کرے گی اور انشاءاللہ چمن قاسمی کی لٹتی ہوئی بہار پھر سے واپس آ جائے گی، نیز اس کارِ خیر کا بہتر سے بہتر صلہ آپ کو دارین میں نصیب ہوگا۔

وما علینا الا البلاغ